عفت فاطمہ
اسکالر پی ایچ ڈی اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد
ڈاکٹر عابد حسین سیال
صدرِ شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، اسلام آباد

ناول اور اس کی زبان

Iffat Fatima
Scholar PhD Urdu, NUML, Islamabad.
Dr Abid Hussain Sial
Head Department of Urdu, NUML, Islamabad.

Novel and Its Narration

Creative and appropriate use of language is the basic tool of expression in a literary writing. The use of language not only manifests the contemporary features of a language but also its different shades as it is used in poetry and prose and fiction non-fiction genres. Moreover, it shows the uniqueness of a writer among his contemporaries. In novel narration and dialogues are two different areas where language is used in different ways. Narration shows the language of writer whereas the dialogues show the language used by characters. When novel introduced in Urdu as a literary genre, use of powerful narration has been one of its main features. Initially, novels of Nazir Ahmed were praised due to its narration and appropriate use of language and this tradition continues in later novels. However, the situation in criticism of novel is different. In the books written in Urdu on art of novel, the discussion on the use of language in fiction is mostly given less importance as compared to other features included in art of novel. After partition to contemporary era, novelists have presented a variety and creativity in narration as well as in dialogues by introducing flavor of other local languages in Urdu. The article discusses the importance and implications of use of language in narration and dialogues in a novel.

Keywords: *Novel, Narration, Dialogues, Language*

ادبی اصناف میں ناول کم سن مگر منفرد صنف ہے جو انسانی زندگی کی دستاویز بھی ہے اور تفسیر بھی۔ اس کے دائرے میں افراد کی خارجی اور داخلی زندگی کے تمام رنگ سموئے نظر آتے ہیں۔ کائنات کی رنگا رنگی اور تنوع اسی میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ناول نگار زندگی کے اُن حقائق پر روشنی ڈالتا ہے جو عام نگاہوں سے مخفی

رہتے ہیں۔ " زندگی میں جو باتیں دھندلی اور مبہم ہوتی ہیں وہ ناول میں صاف اور نمایاں ہو جاتی ہیں۔ناول زندگی کا آئینہ ضرور ہے مگر اس آئینے میں زندگی کا عکس گہرے اور بدلے ہوئے حالات اختیار کرتا ہے"۔[۱]
ناول وہ صنفِ ادب ہے جس میں زندگی کی جیتی جاگتی تصویر ابھاری جاتی ہے۔اس کے ذریعے انسانی زندگی کی فطری ترجمانی معلم اخلاق بن کر نہیں بلکہ رفیقِ ذہنی بن کر کی جاتی ہے اور دلچسپی کا عنصر پیرایہ بیان کے حسن اور رنگینی سے پیدا کیا جاتا ہے۔دراصل اس صنفِ ادب کی جان اس کا دلنشیں پیرایہ اظہار ہی ہوتا ہے جو قاری کے لیے سامانِ مسرت بھی ہوتا ہے اور اُسے فکری و جمالیاتی سطح پر اپنی گرفت میں بھی لیے رکھتا ہے۔ناول نگار الجھی ہوئی پیچیدہ زندگی کو اپنے تاریخی شعور کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، پھر حقائق پر مبنی مواد کو انسانی جذبات و احساسات کے سانچے میں ڈھال کر معنی خیز اسلوب میں پیش کرتا ہے تو کوئی فن پارہ مخصوص ہیئت میں وجود پاتا ہے۔ "ادب کی تخلیق ایک شعوری عمل ہے جس کی بنیاد انسانی تجربات اور ان کے مناسب ترین اظہار پر ہے۔ادیب زندگی میں جس قسم کے تجربات سے گزرتا ہے، انھیں مناسب ترین الفاظ میں ظاہر کرتا ہے۔"[۲] ہر بڑا ناول نگار اپنے مشاہدات اور تجربات کو تراش خراش کر مؤثر اسلوب کے ذریعے قاری تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔یہاں اس کی مہارت یا فنکاری یہ ہوتی ہے کہ اس کے خیالات و مشاہدات یا تجربات براہِ راست ناول کا حصہ نہ بنیں بلکہ وہ قصے کی بنت میں گھل مل جائیں۔مختلف کرداروں اور ان کے مکالموں کے ذریعے پیش ہوں۔وہ بھی خاص سلیقے سے تاکہ لطافت کا احساس باقی رہے۔تخلیق کا جوہر اور خواہش انسان کے اندر فطری ہے۔اسی طرح حسن کا احساس بھی سب سے قوی ہے۔ادب میں انسانی دلچسپی کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس کے اندر فنکارانہ اور صناعانہ حسن کی دنیائیں سموئی ہوتی ہیں جو اس کے احساسِ جمال کی تسکین کرتی ہیں۔

ہر صنف ادب کا اسلوب بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتی ہے۔اردو ناول نے بھی اسلوب اور موضوعات کے تجربات کے ساتھ ارتقا کی نئی نئی منزلوں سے آشنائی پائی، تاہم اردو ناول کی خوش قسمتی یہ ہے کہ اسے اپنی ابتدا ہی سے دلنشیں محاوراتی و ادبی زبان میسر آئی۔انتہائی ابتدائی خدوخال جو مولوی نذیر احمد کے قلم سے وجود میں آئے ان پر فن اور تکنیک کے حوالے سے اعتراضات اٹھائے جا سکتے ہیں مگر ناول کے خدوخال کے حامل ان قصے کہانیوں کی زبان و بیان کی شگفتگی اور حسن سے انکار ممکن نہیں۔ جوں جوں ناول فنی اور تکنیکی اعتبار سے ترقی کرتا گیا ویسے ہی اس کی زبان و بیان میں بھی جدت اور وسعت پیدا ہوتی گئی۔

ناول نگار کے پیش نظر اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ زندگی کی وہ حقیقی تصویر جسے اس نے اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے دیکھا اور محسوس کیا، اسے اس انداز میں پیش کرے کہ قاری بھی اسے اسی طرح محسوس کرے اور اس مقصد کے حصول کے لیے "زبان" ہی اُس کا سب سے اہم وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ ناول کی زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک مکالماتی اور دوسرا بیانیہ حصہ۔ مکالماتی حصے میں مصنف خود کو پس منظر میں رکھتے ہوئے اپنے تخلیق کردہ کرداروں کی گفتگو کے ذریعے کہانی یا قصے کو آگے بڑھاتا ہے۔

جبکہ بیانیہ حصے میں کسی واقعہ یا افراد کی ذہنی کشمکش وغیرہ کو اپنے ذاتی محسوسات کی روشنی میں واضح کرتا ہے۔ کامیاب ناول میں ناول نگار مکالماتی اور بیانیہ دونوں حصوں کو سلیقے سے برتتا ہے۔ کبھی مؤثر مکالموں کے ذریعے واقعات میں تسلسل قائم کرتا ہے اور کبھی بیانیے کی مدد سے صورتحال کی وضاحت کرتا ہے۔

بیانیے میں ناول نگار آزاد ہوتا ہے۔ جس طرح چاہے اپنے محسوسات کو قاری تک پہنچا سکتا ہے اور اس کے لیے کہیں تفصیلی پیرایہ بیان اور کہیں اشاروں سے کام لیتا ہے۔ کبھی سادہ الفاظ استعمال کرتا ہے اور کبھی استعاراتی زبان کو کام میں لاتا ہے۔ یہاں زبان صرف وسیلہ اظہار نہیں بلکہ ایک متحرک قوت کے طور پر سامنے آتی ہے جس کے ذریعے واقعات ، جذبات اور تجربات کی ترجمانی ہی نہیں عصری حقائق کی پیشکش اور معانی و مفہوم کے نئے جہانوں کی تخلیق بھی ہوتی ہے۔

ناول کی زبان کا تعلق تفہیمِ متن سے ہے۔ ناول کے کردار ، واقعات ، مکالمات ، فکری گہرائی اور جمالیاتی پہلو، یہ سب پیرایہ اظہار کے دائرے میں سمٹ آتے ہیں۔ ناول نگار کی خلاقانہ اور حاکمانہ قوت کا اظہار ناول کی زبان ہی سے ہوتا ہے۔ دراصل یہ خود ناول نگار کی فکری و فنی قوت ہوتی ہے۔ بقول ڈاکٹر سہیل بخاری :

> "مواد کتنا ہی دلچسپ ، اس کی تنظیم کتنی ہی گٹھیلی اور ترتیب کتنی ہی متوازن کیوں نہ ہو۔ جب تک زبان و بیان کی باریکیوں اور لطافتوں کا خیال نہیں رکھا جائے گا، قصے میں لطف نہیں آئے گا۔ خیال کا بہت کچھ حسن اس کے اظہار میں مضمر ہوتا ہے، اس لیے تخیل کی نزاکتوں اور فنی ندرتوں کے ساتھ موزوں الفاظ، متوازن ترکیبوں اور چُست فقروں کی موسیقیت بھی ضروری ہے۔ سب سے بڑی بات زبان قصے سے میل کھاتی ہو۔"(۳)

زبان اور فکر ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگرچہ مصنف کی بنیادی عظمت علوئے فکر میں ہی مضمر ہے مگر زبان ایسا پیمانہ ہے جس کے ذریعے مصنف اپنی فکری متاع کو قاری تک پہنچاتا ہے۔ اسلوب کی چاشنی میں سمو کر ناول نگار معاشرتی کجیوں کو بے نقاب کرسکتا ہے۔ زبان اپنے بولنے والوں کی معاشرت ، تہذیب و ثقافت کی عکاس ہوتی ہے بلکہ ثقافت کا بیشتر دارومدار زبان پر ہوتا ہے۔ یہی انسان کے شعور کی تربیت یوں کرتی ہے کہ تجزیاتی و تخلیقی فکر کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ زبان کے ذریعے تہذیبوں کی شکست و ریخت کی تصویر کشی کی جا سکتی ہے اور جاوداں موضوعات کو جدید پیرائے میں یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ وہ عصر حاضر کی معنویتوں سے ہم آہنگ ہوسکیں۔

چونکہ ناول ایک طویل نثری صنفِ سخن ہے اس لیے یہ متنوع موضوعات کا احاطہ کرسکتی ہے۔ یہ ایسی کثیر الجہات صنفِ ادب ہے جس میں فلسفیانہ گہرائی بھی پیش کی جا سکتی اور اپنے عہد کی تاریخ بھی محفوظ کی جاسکتی ہے۔ اس کے ذریعے تہذیب و ثقافت کی ترسیل بھی کی جا سکتی ہے اور معاشرتی مسائل کی پیشکش بھی۔ ناول نگار اپنے مخصوص طرزِ فکر کی روشنی میں مواد اور موضوعات کے چناؤ کی آزادی رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے

مخصوص طرزِ فکر کے حوالے سے اپنے عہد کے رجحانات ، میلانات اور رویے بیان کرتا ہے اور اس تمام عمل میں ”زبان“ اس کی مدد و معاون ہوتی ہے۔شاعری کے ضمن میں جاحظ کا معروف قول ہے کہ مضامین تو بازاری لوگوں کو بھی سوجھ جاتے ہیں اصل کمال تو ان کے لیے موزوں ترین پیرایہ بیان مہیا کرنا ہے۔ شبلی نے بھی تخلیق کار کے ضمن میں یہی کہاہے کہ جو شخص واقعات سے اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہو وہ اس کا اثر الفاظ کے ذریعے پورا پورا ظاہر کرے۔

"ممکن ہے ادب کے بغیر زبان قائم ہو سکے لیکن زبان کے بغیر اس قائم نہیں ہو سکتا۔ زبان کی مخصوص شدت (کے ساتھ استعمال) سے مراد یہ ہے کہ ادب میں استعمال ہونے والی زبان مکمل معنویت کی کوشش کرتی ہے۔اس میں کوئی لفظ یا حرف بے کار نہیں ہوتا۔"(۴)

ہر دور کا ادب اپنے زمانے کے تغیرات و انقلابات کے اثرات کو قبول کرتا ہے گویا زمانے کی مشاطگی ادب کی نوک پلک سنوارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ہر عہد میں ادب کے ذریعے ہی سماجی اور معاشی حالات اور زندگی کی چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی تصویریں آئندہ زمانوں کے لیے محفوظ ہو جاتی ہیں۔اور یہ تحفظ زبان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

تخلیق کی خواہش انسان کے اندر فطری ہے اور یہ صلاحیت و خواہش اس کے اندر قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے۔ انسان کے جذبات و احساسات میں جو موجیں برابر اٹھتی رہتی ہیں، ان کو خوبصورت اور معنی آفرین الفاظ کا جامہ پہنا دینا ہی ادب کہلاتا ہے۔ اصنافِ ادب میں ناول کو خاص طور پر ایسی وسعت حاصل ہے کہ اس میں ادیب اپنے تلاطم خیز جذبات و احساسات مؤثر و منفرد اسلوب کے ذریعے پیش کر سکے۔

اردو ناول میں اسلوب و موضوع کے نئے تجربوں کا آغاز پریم چند کے بعد اس وقت ہوا جب فکر و خیال کا نیا پن اور فن کا نیا شعور ادب میں راہ پانے لگا۔ترقی پسند تحریک کی مقبولیت سے ایک نئی عصری بصیرت ”ناول“ میں سمانے لگی۔ اس تحریک سے وابستہ ناول نگاروں نے مولوی نذیر احمد سے منشی پریم چند تک تمام ناول نگاروں کی اولیت سے پہلو تہی کرتے ہوئے اسلوب اور موضوعات کے نئے تجربے کیے۔سجاد ظہیر ، عزیز احمد اور کرشن چندر وغیرہ نے زندگی کے عام بندھے ٹکے اور پامال سانچوں کو دیکھنے سے شعوری گریز برتا۔ ان کی نگاہیں زندگی کی ایسی حقیقتوں اور انسانی فکر و خیال کے ایسے گوشوں تک پہنچ رہی تھی جہاں تک ان کے پیشروؤں کی رسائی نہ تھی۔ ان کی آگہی کے سرچشمے ان بزرگوں سے بہت مختلف تھے۔اسی لیے انہوں نے زندگی کی ان حقیقتوں کے اظہار کے لیے نئے اسلوب ، نئے پیرائے اور نئے محاورے کی تلاش کی۔ اس سلسلے میں یورپی ناول کے تجربات اور اسالیب نے ان کی مدد کی مگر یورپی ناولوں کی اثر پذیری ایسی نہ تھی کہ اردو ناول کی روایت سے رشتہ ختم ہو جاتا۔ترقی پسندوں نے اپنے موضوع اور مواد کی مناسبت سے جس طرزِ اظہار کو اپنایا وہ بلیغ تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ اس میں ناول کی تخلیقی زبان کے جدید تقاضوں کو پورا کرنے کے

امکانات بھی موجود تھے۔ اگرچہ الفاظ وہی پرانے تھے مگر جب انہیں نئے تناظر میں استعمال کیا گیا تو وہ نئے معنوی تلازمات کی تشکیل و ترسیل کا ذریعہ بن گئے۔

اس عہد کے ناول اپنے اسلوب اور پیرایہ اظہار کی انفرادیت کی بنا پر مقبولیت عام پانے لگے۔ مختصر جملوں ، سبک لفظوں اور بغیر فعل کے ادھورے فقروں کی روانی او ر جوش سے فن پارے کو ایک اچھوتا آہنگ عطا کیا گیا۔ سجاد ظہیر کا ناول " لندن کی ایک رات " اپنے ایمائی اور بیانیہ طرزِ بیاں کے حوالے سے اردو ناول میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد تجربہ تھا جسے قرۃ العین حیدر کے شعور کی پختگی اور عزیز احمد کی بے باکی نے جذباتی زندگی کی ترجمانی کے طور پر آگے بڑھایا۔ ان ناول نگاروں نے پیچیدہ ذہنی رویوں کو حقیقت پسندانہ الفاظ نے قاری کی زندگی کے ان حقائق سے روشناس کرایا جن کی پیچیدگی اور الجھاؤ خود اس کی اپنی نظر سے پوشیدہ تھا۔ ایم ڈی تاثیر کے لفظوں میں "پُر معنی الفاظ ، سماجی زندگی کی پیداوار ہوتے ہیں ' لوگوں کے مل بیٹھنے کا نتیجہ ہیں، سماجی اوزار ہیں جن سے دل و دماغ کے تالے کھولے جاتے ہیں۔"(۵) ترقی پسند تحریک سے وابستہ لکھاریوں نے اردو ناول کو اسلوب اور موضوع کے حوالے سے حقیقت نگاری کی راہ پر ڈالا اور الفاظ کو ان کے نئے تناظر میں یوں پیش کیا کہ واقعی دل و ذہن کے تالے کھلنے لگے۔

اردو میں ساٹھ کی دہائی میں لسانی تشکیلات کی آواز اٹھانے والوں نے زبان و بیاں کے حوالے سے نئے تجربات کیے اور اردو کی دیگر زبانوں سے اشتراک پیدا کرنے کا مشورہ دیا۔ افتخار جالب کے بقول:

> "زبان کو مسلسل نئی تشکیل دیتے رہنا چاہیے تاکہ وہ تجربے کا ساتھ دے سکے۔ زبان سادہ، عام فہم یا مشکل نہیں ہوتی بلکہ تجربے کے مطابق ہوتی ہے۔ برطانوی استعمار نے استحصالی مقاصد کے تحت اردو زبان کو سادگی کی حسین راہ پر ڈالا ہے اور فارسی ، ہندی ، عربی اور مقامی زبانوں سے اس کا رشتہ جس طرح منقطع کیا ہے ، اس نے اردو زبان کو تہی دامن کیا ہے ، اس لیے لازم ہے کہ اسے دیگر زبانوں سے ہم رشتہ کیا جائے۔"(۶)

ناول دیگر اصنافِ ادب میں اس لحاظ سے بھی امتیاز رکھتا ہے کہ اس میں مصنف کا طرزِ اظہار مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے کیونکہ اس صنفِ ادب کا فنی تقاضا یہ ہے کہ ناول نگار ایسی زبان لکھنے کا پابند ہوتا ہے جو اس کی کہانی ، اس کے کرداروں کی ذہنی سطح اور منتخب کردہ ماحول میں استعمال ہونے والے ذخیرہ الفاظ سے تجاوز نہ کرے۔ لہٰذا ناول میں زندگی کی جتنی متنوع تصویریں پیش کی جائیں گی زبان و بیان کے پیرائے میں بھی اتنا ہی تنوع پایا جائے گا۔

مکالماتی حصے میں ناول نگار پابند ہوتا ہے کہ ایسا طرزِ ادا اختیار کرے جس میں تخلیق کردہ کردار کی زبان سے ادا ہونے والا ہر مکالمہ اس کی فطرت اور شخصیت کی مکمل عکاسی کرے ، اس کی انفرادیت کو اجاگر کرے۔ اس کی شخصیت کا خاص جوہر ، اس کے خیالات ، سوچ اور فکر ، اس کے اعمال تک کا عکس اس کے

مکالموں میں نظر آئے۔اس حصے کو فنی اعتبار سے عمدہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مکالمے تصنع سے پاک، کردار کی ذہنی و سماجی حیثیت ، علم اور مزاج سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہوں۔ گویا یہ حصہ ناول نگار سے اخلاص اور مہارت کا متقاضی ہوتا ہے۔

"مکالموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ فطری یعنی کرداروں کے حسبِ حال ہوں۔ عمر، جنس، تعلیم اور طبقے کے لحاظ سے انسانوں کی گفتگو کا انداز بدل جاتا ہے۔ اس لیے مکالمہ ایسا ہونا چاہیے جس سے متکلم کے متعلق یہ سمجھا جاسکے کہ وہ کس عمر کا ہے۔ مرد ہے یا عورت، پڑھا لکھا ہے یا اَن پڑھ۔"(۷)

گویا ناول نگار کا کمالِ فن یہ ہے کہ وہ مکالماتی حصے میں ایسے طرزِ ادا کا انتخاب کرے جس میں رنگینی بھی ہو اور تنوع بھی۔ یعنی مکالموں میں تصنع کے بوجھل پن سے آزاد فطری پن اور بے ساختگی پائی جائے تا کہ کرداروں کی فطرت اور شخصیت کی مکمل عکاسی بھی ہو جائے اور لفظوں کی فضول خرچی سے بھی بچا جاسکے کہ غیر ضروری اور رسمی مکالمات ناول کے حسن کو گہنا سکتے ہیں۔ ناول نگار کی حکمت و دانائی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ مکالموں کے ذریعے ناول کے واقعات میں تسلسل قائم کرتا ہے۔ اپنے فکر کی گہرائی اور خاص مطمح نظر کو مکالموں کی تہ میں چھپا کر پیش کرے۔ یعنی خود پردے میں رہے مگر کرداروں کے مکالموں کے ذریعے اپنے افکار کی ترسیل کرے اور اس فنکاری سے کہ وہ قصے سے فطری انداز میں پھوٹتے محسوس ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ناول نگار کے لیے چست پلاٹ ، واقعات کے مابین ربط و تسلسل ، کرداروں کی ہنر مندانہ تخلیق کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کے حوالے سے بھی غور و خوض کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ناول کی تخلیق کے دوران اس نکتے کو پیشِ نظر رکھنے کے ضمن میں غلام الثقلین نقوی نے اپنا تجربہ یوں بیان کیا ہے:

"'میرا گاؤں' ایک عرصے سے میرے تصورات کی دنیا میں آباد تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اسے کاغذ پر منتقل کروں۔ کئی بار اس کا آغاز کیا لیکن جس سٹائل میں اسے لکھنا چاہتا تھا وہ بن نہ آتا تھا۔ میں اسے ناول کے مرکزی کردار ماہنے کی زبان میں لکھنا چاہتا تھا۔ ماہنا ذہین تو خاصا ہے مگر صرف مڈل تک پڑھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بامحاورہ ادبی اردو میں بات چیت نہیں کرسکتا تھا چنانچہ اپنے آپ اس کے لیے ایک خاص وضع کی زبان تشکیل پاگئی۔"(۸)

یہاں اس حقیقت سے مفر بھی ممکن نہیں کہ ناول کے کرداروں کے حسبِ حال زبان پیش کرنا آسان نہیں۔ ناول میں ہر طرح کے کردار تخلیق کیے جاتے ہیں اور ہر طبقے کی زبان ایک ہو تو بھی لب و لہجے میں فرق پایا جاتا ہے۔ گویا ایک ہی معاشرے میں پائے جانے والے مختلف کرداروں کا اندازِ گفتگو مختلف ہوتا ہے۔ ناول کی زبان کو تشکیل دیتے ہوئے اس اختلاف کو پیشِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اور پھر ان امتیازات کو مکالماتی حصہ میں اجاگر کرنا اور قاری پر منکشف کرنا نہایت دقت طلب مرحلہ ہے۔ ناول نگار کو ان دقتوں پر قابو پاتے ہوئے کسی ایسی راہ کا تعین کرنا پڑتا ہے جس میں اس کے مخصوص اسلوب کے ساتھ ساتھ ناول کے فن کے تقاضے پورے ہونے کے امکانات بھی ہوں۔

"مکالموں اور سادگی اور برجستگی پیدا کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بالکل روز مرہ کی گفتگو پیش کی جائے تو اس کا خطرہ ہے کہ کہیں غیر ادبی زبان نہ ہو جائے اور اگر زبان میں خوبصورتی پیدا کی جائے تو خدشہ ہے کہ اس میں تصنع اور آورد نہ ہو جائے۔ لیکن ماہر ناول نگار ان دونوں میں سمجھوتا کر لیتا ہے اور درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے۔"(۹)

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ناول کے ابتدائی خدوخال ظاہر ہوتے ہی ناول کی زبان و بیان کے حوالے سے گفتگو ہونے لگی۔ مولوی نذیر احمد کی تصانیف پر کیے گئے تبصرے زیادہ تر زبان ہی کے حوالے سے کیے گئے۔ مرآۃ العروس کے بارے میں نذیر احمد بتاتے ہیں: "جو کچھ اس وقت اس کتاب کی تصنیف میں صرف ہوا، اس کے علاوہ مدتوں یہ کتاب اس عرض سے پیشِ نظر رہی کہ بولی بامحاورہ ہو اور خیالات پاکیزہ اور کسی بات میں آورد اور بناوٹ کا دخل نہ ہو۔"(۱۰) اسی طرح مراۃ العروس پر ایم کیمپسن (ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن ممالک شمال و مغرب) کا تبصرہ ان الفاظ میں ہے:

"نذیر احمد کی تصنیف روز مرہ کے پڑھنے کے لائق اور عام فہم ہے۔۔۔ کل قصہ شرفا کی روز مرہ زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ وہی اس ملک کی اصل اردو ہے۔۔۔ جہاں تک میں جانتا ہوں کسی ہندوستانی مصنف نے اس سے پہلے بجائے لفاظی اور مداحی کے بات چیت اور گفت و شنید سے اصل حقیقت کو ایسا ادا نہ کیا۔"(۱۱)

اسی تسلسل میں سر ولیم میور (لیفٹننٹ گورنر ممالک شمال و مغرب) کی رائے کو بھی دیکھا جا سکتا ہے جن کے خیال میں "اس ملک کے عام مروجہ حکایاتِ بے لطف کے مقابل میں۔۔۔ اس کتاب کے نہایت عمدہ مضامین سے پڑھنے والوں کو نہ صرف فائدہ حاصل ہو گا کہ سلیس و فصیح زبان اور روز مرہ سے واقفیت ہو گی۔"(۱۲) مگر آگے چل کر جب ناول کی باقاعدہ تنقید آغاز ہوئی تو ناول کی زبان کے تعین کے حوالے سے کوئی باقاعدہ اصول متعین کرنے کی کوشش نہ کی گئی۔ ناول کی زبان کی اہمیت ایک فنی لازمے کے طور پر تسلیم تو کی گئی مگر اس کے حوالے سے مستند اصول و قوانین مرتب کرنے کی طرف ناقدین کی توجہ کم رہی۔ فن ناول نگاری کے حوالے سے تحریر کردہ اکثر اہم اور مقبول کتب میں "ناول کی زبان" کے عنوان سے محض چند جملوں پر اکتفا کیا جاتا رہا ہے مثلاً اس سلسلے کی ابتدائی کتابوں میں سے ایک جو مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے، ڈاکٹر احسن فاروقی اور نورالحسن ہاشمی کی "ناول کیا ہے؟" ہے۔ اس میں ناول نگاری سے متعلق اہم فنی نکات پر بات کی گئی ہے مگر ناول کی زبان کے حوالے سے ایک مختصر سا پیراگراف لکھ کر، جو بالکل عمومی قسم کے جملوں پر مشتمل ہے، مؤلفین کرام اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ آنے والے ادوار میں "اوراق"، "تسطیر" جیسے ادبی رسائل و جرائد میں ناول کی زبان کے حوالے سے گاہے بگاہے مضامین چھپتے رہے مگر ہنوز مطلوبہ حد تک اس حوالے سے تنقیدی مواد کی دستیابی دشوار ہے۔

ناول کے فن کا تقاضا ہے کہ ناول کا اسلوب اس خاص ماحول اور پس منظر کا عکاس ہو جو اس ناول میں پیش کیا جا رہا ہو۔ ناول کا قصہ خلا میں معلق نہیں ہوتا۔ اس کے لیے خاص ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اعلیٰ

درجے کے ناول میں ماحول اور خاص پس منظر ایک فریم کا کام کرتا ہے۔ناول نگار جس خاص علاقہ کی زندگی کی عکاسی کرنا چاہتا ہے اسی لحاظ سے اسے پیرایہ اظہار اختیار کرنا ہوتا ہے تاکہ زندگی کی رنگارنگ تصویریں اور متنوع کیفیات پیش کی جاسکیں۔اس کے لیے ناول نگار کو بیانیے میں بھی خاص زبان اور خاص طرزِ ادا کو اپنانا پڑتا ہے۔ ناول کی زبان بیک وقت اپنے عہد، اپنی صنف اور اپنے مصنف کی نمائندہ ہوتی ہے اس لیے اس میں ایسی خصوصیات ہونی چاہئیں جو نہ صرف اس عہد کی لسانی ترجیحات کو منعکس کریں بلکہ شعر اور نثر کی زبان اور افسانوی اور غیر افسانوی نثر کی زبان کے فرق کا احساس بھی دلائیں اور اس کے ساتھ ساتھ مصنف کی انفرادیت کا نقش بھی قائم کریں۔

حوالہ جات

۱۔ محمد احسن فاروقی، ڈاکٹر، نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر، ناول کیا ہے ؟ ،درد اکادمی،لاہور،،۱۹۶۴ ،ص۶۱

۲۔ سلیم احمد، ادبی انحطاط کا مسئلہ مشمولہ مضامینِ سلیم احمد، مرتبہ: جمال پانی پتی، اکادمی بازیافت، کراچی، ۲۰۰۹، ص۸۰۶

۳۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، ناول نگاری (اردو ناول کی تاریخ و تنقید)، مکتبہ میری لائبریری،لاہور، ۱۹۶۶، ص۳۶

۴۔ شمس الرحمٰن فاروقی، شب خون، الہ آباد، شمارہ۱۳۶، جنوری فروری ۱۹۸۵، ص۱۸

۵۔ ایم ڈی تاثیر، ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر کے مضامین، مرتبہ: فیض احمد فیض، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۱، ص۴۳

۶۔ افتخار جالب، لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر، فرہنگ ،میرپور خاص ،۲۰۰۱، ص۱۱

۷۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، ناول نگاری (اردو ناول کی تاریخ و تنقید)، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۶، ص۳۱

۸۔ غلام الثقلین نقوی، اردو کہانی کے پچاس سال مطبوعہ ”اوراق“ (اردو ادب کے پچاس سال)، خاص نمبر جولائی اگست ۱۹۹۷ء، ص۳۲

۹۔ سلام سندیلوی، ڈاکٹر، ادب کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۴، ص۱۶۶

۱۰۔ بحوالہ نیر مسعود، ناول کی روایتی تنقید مشمولہ نیر مسعود، منتخب مضامین، آج، کراچی، ۲۰۰۹، ص۲۲۰

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً